کشمیر میں عربی شاعری

ایک تعارف

(۲)

از ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری شعبۂ عربی امر سنگھ کالج سرنگیر

علامہ محمد انور شاہ کشمیری :- علامہ کشمیری کو ہندوستان کے نمایاں ترین فقہاء و محدثین متکلمین و مفسرین میں ممتاز مقام حاصل ہے اسی طرح عربی شعر گوئی میں بھی وہ اس فن کے گنے چنے فضلاء میں سے ایک ہیں مسلم یونیورسٹی میں ایم اے عربی کے نصاب میں علامہ کشمیری کا ایک مشہور عربی قصیدہ بھی ماضی قریب میں شامل تھا۔ علامہ کشمیری فطرۃً ادیب واقع ہوئے تھے، ان کے والد بزرگوار اور اسلاف میں سے کچھ اور ذی علم حضرات فارسی میں شعر کہتے تھے، گویا علامہ کشمیری کو شعر گوئی کا ذوق وارثتاً ملا تھا۔ پھر ابتدائی زمانہ طالب علمی میں انہیں جس استاد کے سامنے بیٹھنا پڑا وہ کشمیر کا نہ صرف نامی گرامی شاعر تھا۔ بلکہ فن شعر کا ماہر نقاد اور نکتہ داں سمجھا جاتا تھا۔ ہماری مراد محمد جو جنڈل سے ہے جس نے علامہ کشمیری کو فارسی میں انوری کا ثانی بنایا پھر جب شاہ صاحب ———— دیوبند پہنچے تو وہاں ان کی توجہ فارسی وارد و سے زیادہ عربی ہی کی طرف رہی اور ان کے ذوقِ شعر میں پختگی آئی یہاں تک کہ زندگی کے آخری دور تک ان کی عربی شعر گوئی کا

سلسلہ جاری رہا، اس کی تائید ان کے رسائل سے ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کے امالی میں بھی ان کے اشعار ملتے ہیں، فصل الخطاب میں محمد بن اسحاق کی ایک حدیث پر بحث کرنا شروع کرتے ہیں تو پہلے فخر کے ساتھ ایک جاہلی شاعر کا یہ شعر لکھتے ہیں سہ

هل غادر الشعراء من متردم ۔۔۔ ام هل عرفت الدار بعد توهم

پھر اس پر اپنا یہ شعر ملاتے ہیں:-

اعياك رسم الدار لم يتكلم ۔۔۔ حتى تكلم فاسمعن وتفهم[1]

مدرسہ امینیہ کی صدر مدرسی کے زمانے میں ان کی عمر بائیس تیئس سال سے زیادہ نہ تھی۔ مگر انہی ایام میں ان کا ذوقِ شعر اتنا پختہ اور بلند ہوا تھا کہ مولانا ظہیر احسن صاحب شوق نیموی کی آثار السنن کی مدح میں عربی زبان میں دو طویل قصیدے لکھے جو ہندوستانی عربی شاعری میں عمدہ نمونے کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں۔ مولانا نیموی نے ان قصائد کو اس سرخی کے تحت اپنی کتاب میں درج کیا ہے:-

هذه قصيدة في مدح المؤلف للعلامة الاديب والفاضل اللبيب مولانا محمد انور شاه الكشميري[2]

پہلا قصیدہ پچیس ۲۵ اشعار پر مشتمل ہے، جن میں سے چند اشعار درج ذیل ہیں سہ

سرديت وطبت نفسا في الهوائي ۔۔۔ وعدت خاوي مار السماء

بحبي ذا المناقب والمعالي ۔۔۔ شريف المجد غطريف العلاء

سنا علم الحديث كثير حفظ ۔۔۔ وراوية الزمان بلا امتراء

فذا هو رحلة الافاق طرا ۔۔۔ وحافظ عصره اهل اقتداء

وعمدة قارى وارشاد سار ۔۔۔ وفتح المغلقات على دفاع

ظهير الحق مولانا الظهير ۔۔۔ اضاء الارض في نور اهتداء[3]

---

[1] فصل الخطاب: ص ۴۵ [2] آثار السنن، احسن المطابع پٹنہ ۱۳۱۹ھ، ص ۱۳۰ [3] ایضاً ص ۱۳۱۔

دوسرا قصیدہ اکتیس ۳۱ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں؂

الا عم صباحا ایھا العصر الخالی | تنورت فیک النور من جبل عالی
حدیث حیوٰۃ بعد ما کنت ماضیا | وجددت تجدیدا اعلیٰ عمر بالی
وھما اقلب فیک علیٰ تبسمت | تباشیر تبشیر علی الحزن البالی

آثار السنن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فقد جاء بالآثار للناس ھادیا | عن النور عن فیض عن القال عن حالی!
فدونک سفرا مسفرا بالشوارق | ولو ناعلی لون باطول اذیال!
سدادا حدیث والفقاھۃ لحمۃ | نسیج علیٰ وجد بابدع منوال
وتعلیقہ مثل الطراز المذھب | معانیہ اعلام باتقان اعمال[۱]

مدرسہ دیوبند میں شعر گوئی

جب علامہ کشمیری مدرسۂ دیوبند میں مدرس اور اس کے بعد صدر مدرس ہوئے تو طلباء میں ادبی ذوق بڑھانے کے لئے انھوں نے ایک مجلس شعر جو "نادیۃ الادب" سے موسوم تھی اور مولانا اعزاز علی صاحب کی کوششوں سے قائم ہوئی تھی، آپ خود بھی شرکت کرتے تھے بلکہ اس انجمن میں علامہ کشمیری ہی شمع انجمن ہوتے تھے آپ اس کے مشاعروں میں حصہ لیتے، حصہ لینے والوں کے کلام پر نقد و تبصرہ کرتے اور کبھی کبھی اپنی تخلیق بھی پیش کرتے تھے۔

اس زمانے میں آپ نے جو اشعار کہے ہیں وہ اپنی ادبی لطافت اور فنی خوبیوں کے لحاظ سے عہد اسلام کے قبل کے شعراء کے کلام سے ملتے ہیں۔ ایک مرتبہ مصر کے ایک حنبلی المسلک عالم علامہ شیخ علی دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ وہ دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ کے علم، اخلاق اور اخلاص دیکھ کر سخت متاثر ہوئے۔ ایک عرب طالب علم نے ایک دن ان سے کہا کہ علمائے دارالعلوم اپنی گوناگوں علمی و اخلاقی خوبیوں کے

ساتھ ویورادب سے بھی آراستہ ہیں بالخصوص عربی شعروادب کے ساتھ سخت دلچسپی رکھتے ہیں۔ مگر شیخ علی حنبلی نے کہا: مجھے اس کو ماننے میں تردد ہے، بھلا یہ لوگ اہل عرب کی طرح کیسے فصیح ہوسکتے ہیں جبکہ یہ لوگ عجمی ہیں" اس کے کچھ وقت بعد شیخ حنبلی کی علامہ کشمیری کے ایک عربی قصیدے پر نظر پڑی جو انھوں نے حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری کی وفات پر کہا تھا اور رسالہ "القاسم" دیوبند میں چھپا تھا۔ مصری عالم کی جب اس پر نظر پڑی تو فوراً کہا: انی تبت من اعتقادی، یعنی میں نے ان کی عجمیت کے بارے میں جو خیال دل میں بٹھایا تھا میں اس سے تائب ہوتا ہوں کیونکہ مجھے اس قصیدے سے جاہلی شاعری کی بو آتی ہے[1] انہیں عربی زبان اور شعروادب پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ کئی بار اس میں ارتجالاً علمی تقریریں کیں اور قصائد کہے۔ بہار میں "گیا" کے مقام پر ۱۹۲۲ء (مطابق ۱۳۴۱ھ) میں جمعیۃ علماء ہند کا جلسہ ہوا اور علامہ کشمیری نے بھی اس میں شرکت کی تھی۔ انھوں نے ایک دوست کی درخواست پر بیٹھے بیٹھے ایک طویل عربی قصیدہ تیار کیا اور اسے جلسہ گاہ ہی میں پڑھ کر سنایا۔ یہی قصیدہ ماضی قریب میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایم اے عربی کے نصاب میں داخل تھا۔ نظم کی ابتدا میں ایک خطبہ ہے اور یہ خطبہ بھی منظوم عربی میں ہے اور بارہ[2] اشعار پر مشتمل ہے۔ ان میں پہلا شعر یہ ہے ؎

الملک للّٰہ رفیع الشان ذی الطول والتصریف فی الازمان

اس کے بعد اصل نظم شروع ہوتی ہے۔ جو اڑتالیس اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں اہل فرنگ اور ان کی اسلام دشمنی پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس میں مصطفےٰ کمال کی تعریف بھی ملتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موصوف نے ابھی الحاد اور وطن پرستی کو گلے

---

[1] حیات الانور: مولانا انوری لائلپوری۔

نہیں لگایا تھا۔ عالم اسلام بالخصوص ہندوستان کے مسلمان خلافت کے قیام و بقا کی محبت میں مصطفےٰ کمال کی سخت حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ نظم کے چند ابتدائی اشعار یہ ہیں ؎

ادماتری لما عدت عن طورھا — غدارة الیونان والبرطان
حتی غدوا ادیھزون لہ بھم — وتنصلوا من خلفة الانسان
فان ادشہ فی البسیطة منھم — ماکان یحکی مند جنکہ خان[1]

قادیانیوں کا چیلنج ایک مرتبہ بہار ہی میں علمائے ہند کی ایک جماعت کا قادیانیوں کے ساتھ مناظرہ ہونے والا تھا۔ اس جلسے کے داعی اعظم حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری رح تھے علامہ کشمیری بھی جلسے میں موجود تھے۔ قادیانیوں نے چیلنج کیا کہ ہم اسی صورت میں مناظرہ کریں گے جب اردو اور دوسری علاقائی زبانوں کے برعکس عربی زبان میں تقریریں ہوں گی۔ علامہ کشمیری نے اس چیلنج کو اس طرح قبول کیا کہ عربی اشعار میں مناظرہ کرنے کا اعلان کرایا۔ یہ اعلان سن کر قادیانیوں نے میدان میں قدم رکھنے کی بھی ہمت نہیں کی۔

شعرگوئی کے ساتھ مناسبت شعروشاعری کے ساتھ ان کی طبعی مناسبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہیں شعرائے متقدمین کے ہزاروں اشعار زبانی یاد تھے جن کی تعداد مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے مطابق پچاس ہزار سے تجاوز کرتی تھی۔ مولانا گیلانی نے لکھا ہے کہ درس کے دوران کسی لفظ کی لغوی تحقیق کے لئے ایک یا دو شعر بطور دلیل پیش کرنا کفایت کرسکتا تھا۔ مگر علامہ ممدوح نظموں پر نظمیں اس طرح سناتے چلے جاتے تھے کہ لکھنے والے طلبہ کو قدرت

---

[1] نفحۃ العنبر: ص - ۱۶۳

کی طرف سے اس دوران آرام کرنے کا خود بخود موقع مل جاتا تھا[1]

کمیت کے لحاظ سے علامہ کشمیری کی شاعری

شعر علامہ کشمیری نے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر گوئی کی ہے۔ اردو میں ان کی چند اردو نظمیں صاحب نگارستانِ کشمیر نے محفوظ کی ہیں۔ فارسی میں نعت اور مرثیہ سے متعلق ان کے کئی دل آویز قصائد ہیں تاہم مقدار کے لحاظ سے یہ بھی کم ہیں۔ عربی زبان میں انھوں نے کافی شعر کہے ہیں۔ اور وہ مختلف اصناف پر مشتمل ہیں قاری رضوان اللہ نے ان کے عربی اشعار کی تعداد مختلف جگہوں پر مختلف بتائی ہے مگر ان کی کتاب کے دوسرے مباحث کی طرح یہ بحث بھی، قابلِ اعتبار ہے۔ ڈاکٹر حامد علی خاں صاحب کو علامہ کشمیریؒ کے ۴۴۶، عربی اشعار دستیاب ہوئے ہیں[2] مگر ظاہر ہے کہ ان کو علامہ ممدوح کے سارے اشعار حاصل نہیں ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کا شعری سرمایہ مخفی اور منتشر ہے تاہم جو کچھ ملتا ہے وہ ہزار اشعار سے کم نہیں ہے۔

علامہ کشمیری کے اشعار مختلف رسالوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ انہیں ایک جگہ جمع کرنے کی بے حد ضرورت ہے فصل الخطاب کے آخر میں تین صفحات پر مشتمل مرثیہ شیخ الہند ہے۔ اسی طرح درمیان میں بھی دو۔ دو اور چار، چار اشعار کی صورت میں مختصر نظمیں ہیں۔ اکفار الملحدین میں بھی ایک طویل اصلاحی نظم ہے جو ۵۷، اشعار پر مشتمل ہے اس نظم کی شرح مولانا محمد ادریس سکھروڈوی نے آج سے کافی مدت قبل ایک رسالے کی شکل میں لکھی تھی جو صدع النقاب عن جناسة الفنجاب کے نام سے ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اسی طرح رسالہ کشف الستر کے آخر میں گیارہ اشعار کی ایک نظم ہے جس سے جاہلی شاعری کی فصاحت و بلاغت کی لو آتی ہے کتاب عقیدۃ الاسلام میں بھی ان کی عربی و فارسی نظمیں

---

[1] حیات انور: مقالہ مولانا گیلانی [2] عقیدۃ الاسلام۔

ملتی ہیں۔ ان میں ایک عربی نعت بھی شامل ہے جو (۲۸) اشعار پر مشتمل ہے۔ پہلے دو شعر یہ ہیں

تبارک من اسریٰ و اعلیٰ بعبدہ ۔۔۔ الی المسجد الاقصیٰ الی الافق الاعلیٰ
الی سبع اطباقٍ الی سدرۃ کذا ۔۔۔ الی رفرفٍ ابھیٰ الی منزلۃٍ اجلیٰ

مشکلات القرآن میں آیت مبارکہ انک لاتسمع الموتی (النمل) کی شرح گیارہ عربی اشعار میں بیان کی ہے جو نہایت فصیح و بلیغ ہیں۔ ہم یہ اشعار آگے من و عن نقل کریں گے اسی طرح ان کا ایک رسالہ ضرب الخاتم علی حدوث العالم از اوّل تا آخر عربی اشعار میں لکھا ہوا ہے۔ اشعار کی تعداد ۲۵۶ ہے۔[1] اس کے علاوہ ان کے امالی بالخصوص فیض الباری میں ان کے بہت سے اشعار موجود ہیں ۔

مضامینِ شعر عنوان اور اصناف کے لحاظ سے علامہ کشمیری کی شاعری میں اتنا تنوع ہے کہ ممدوح ایک مشاق اور ماہر فن شاعر کی صورت میں ابھر کر سامنے آتے ہیں ان مضامین میں مرثیہ، قصیدہ، نعت، مناجات، فلسفہ و کلام، تصوف، فقہ، تقریظ اور تبلیغ و اصلاح وغیرہ سب شامل ہیں۔ ہم چند ایک مضامین پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

فلسفہ و کلام علامہ کشمیری کا ایک منظوم عربی رسالہ ضرب الخاتم علی حدوث العالم ہندوستانی عربی شاعری میں شاید پہلا منظوم فلسفیانہ رسالہ ہے اس کے پہلے دو شعر یہ ہیں ؎

تعالی الذی کان ولم یک ما سویٰ ۔۔۔ و اوّل ما جلّی العماء بمصطفیٰ
وسلسلۃ الاسباب سلسلۃ حوتْ ۔۔۔ بھا ربطوا النبیا فنشأ الی الھدیٰ

اس رسالے میں ہر شعر کے ساتھ ان کتابوں اور ان کے صفحات کا حوالہ بھی دیا گیا ہے

---

[1] ہندوستان میں عربی شاعری (قلمی)

جن سے شعر کا مواد اخذ کیا ہوا ہے۔ ان حوالجات سے ان کی بے مثال قوت حافظ اور استحضار کے علاوہ کئی صفحات کا نچوڑ ایک عربی شعر میں ادا کرنے کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً سہ

ولکن نفس الامر ان لقاعل　　　هنالک ایدا ع الطبائع والقوی

اس شعر کے ساتھ فرید وجدی کی دائرۃ المعارف کے تین صفحات (ج ا ص ۵۰۷، ۵۰۹ اور ۵۱۲) کا حوالہ دیا ہے۔

ان کی ایک فلسفیانہ نظم وہ ہے جو انھوں نے حافظ ابن قیم کے مشہور قصیدۂ نونیہ کے ضمیمہ کے طور پر لکھی ہے اور قافیہ بھی انہی کا اختیار کیا ہے۔ اسی طرح رسالہ "مرقاۃ الطارم" گو عربی نثر میں ہے مگر اس میں بھی انھوں نے عربی اور فارسی میں کئی نظمیں لکھی ہیں۔ ان میں ایک نظم وہ ہے جو ضرب الخاتم کی زمین میں لکھی ہے اور اس کا موضوع بھی عالم کا حدوث اور قِدم ہے۔ اس نظم کو اگر ضرب الخاتم کا ضمیمہ کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔ ایک دوسری نظم، جو صرف چار اشعار پر مشتمل ہے سہ

سبحان من کل الوری برهانهٗ　　　ان لیس شأن لیس فیه شانهٗ

والکون طرّا من تجلی فعله ؛　　　خلقا وامرا ثم ما عنوانهٗ !

فوجوده هو واقع ؛ ذغیرهٗ !　　　الفانی فی عدم الوری امکانه

فمالهٗ ظرف وسائر خلقه !　　　فی طرفه العدم انقضی فقدانهٗ

اس میں ان کی دو فارسی نظمیں بھی ہیں، ایک نظم کے پہلے دو شعر یہ ہیں سہ

آن چیز کہ از حضرتِ تقدیس نشاید !　　　از واسطہا آمدہ ایں چیست چسان است

ایجاب وارادہ قِدم ونیز حدوثے　　　مادیت وتجرید کہ تقسیم چسان است![1]

دوسری نظم کے پہلے دو شعر یہ ہیں۔

ازجہات یا نژدہ گانہ زعالم دیدہ باش　　　بارگاہ حضرت حق اے ہمام مستہام۔

[1] مرقاۃ الطارم ص ۱۱

ازحدوث امکان، افول قوت وحرکت نگر تاکمال وحکمت وتخصیص وتوحید ونظام [۱]

نعت: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ علامہ انور شاہ کو جو شیفتگی تھی اس کا اندازہ ان کو ہوگا جنہوں نے فتنۂ قادیانیت کے خاتمے اور ختم نبوت کے تحفظ کے لیے ان کا اضطراب دیکھا ہوگا۔ وہ وقتاً فوقتاً عربی اور فارسی میں بارگاہ رسالت میں نعت کی صورت میں ہدیہ پیش کرتے تھے۔ فارسی نعت میں ان کی ایک مشہور نظم کے دو شعر یہ ہیں ؎

اے آنکہ بہر رحمت تہدا تہ قدر بری! باران صف وبحر سمت ابر مطیری ۱۰

معراج تو کرسی شدہ وسبع سماوات فرش قدمت عرش بریں سدرہ سریری [۲]

عربی قصائد میں ان کی ایک طویل نعت اپنی ادبی لطافت، متین خیالات اور عمیق جذبات کے لحاظ سے عربی نعتیہ شاعری میں ذروۂ کمال پر پہنچی ہوئی ہے۔ حضرت مولانا بنوری اس قصیدے کے بارے میں فرماتے ہیں

ولولم یکن للشیخ قدس سرہ غیرہ ھذہ الیتیمۃ الحسناء لکفیٰ دلیلاً علی انہ وصل الی قصاریٰ منازل شعرہ [۳]

اگر علامہ کشمیری نے فقط یہی ایک دُرِّ بے بہا نعت کہی ہوتی تو بھی یہ اس بات کا کافی ووافی ثبوت ہے کہ حضرت ممدوح شعرگوئی میں کمال کی آخری حد پر پہنچے ہوئے تھے۔

ہم اس نعت سے چند اشعار بطور نمونہ کلام پیش کرتے ہیں ؎

برق تالق موھنا بالوادی فاعتاد قلبی طائف الاجاد

اسفاً علی عھد الحمیٰ وعھادہ تولی علی الأبواق والاذعاد

---

[۱] مرقاۃ الطارم بہ ص ۱۱

[۲] عقیدۃ الاسلام! ص ۲۴

[۳] نفحۃ العنبر! ص ۱۵۶

رہم تناوح تارۃ دیملہا　　حتیٰ غدا الأیام کالاعیاد
ھب النسیم علی الربیٰ فی انتفاحکت　　بشر العمید عرادھا والجادی
لعبت صباھا والشمال دنارۃ　　لعب الغصون بعطفھا المیّاد

آگے فرماتے ہیں ؎

انا فی امان من دواعی حیرۃ　　ولی اھتداء بالنبی الھاد
شمس الضحیٰ بدر الدجی صدر العلی　　علم الھدیٰ ھو قدوۃ للقاد
سھل العرایکۃ اکرم العرب الألیٰ　　خیر العباد وخیرۃ العبّاد

ایک دوسری نعت میں علامہ کشمیری نے شیخ سعدی کا تتبع کیا ہے۔ اس نعت کے دو شعر یہ ہیں ؎

شفیع مطاعٌ نبی کریم　　قسیم جسیمٌ نسیم وسیم !
غیاث الوریٰ مستغاث الھضیم　　احید وحیدٌ مجید حمید

علامہ ممدوح جب حج کرنے گئے تو روضۂ انور کے سامنے کھڑے ہوئے ایک سادہ مگر اخلاص سے بھری ہوئی نعت پڑھی۔ اس کا پہلا مصرع فارسی اور دوسرا مصرع عربی میں ہے یہ نعت مختصر ہے اس لئے ہم اسے مکمل صورت میں نقل کریں گے ؎

اے صبا حالم رساں نزد رسول　　اذ مآلی نحو موتی قد یؤول !
گرچہ از تردامنی خستم و لے !　　علّ ان اروی اذا ھبت قبول
چوں گدا ہستم نراند از درم !　　انہ لا ینتہر الوجہ التسؤل
نیست غیر او پناہ ایں تباہ　　ھل سواہ الکھف للعاصی الجھول
چونکہ کالائے دیم گرچہ بدم　　لیس من بدّ لہ الا القبول
ذیل فضلش ساتر عاصی شود　　قد نجا من نال اطراف الذیول
چوں ز دامنش نہ بردارم وودست　　لیس اذ ذا تارکًا لی فی السبیل

کےکن نومید آخر ہست اُو ! رحمۃ للعالمین بالشمول !

گرچہ شایانِ کرامت نیستم ان دیل الفضل تدییقی التلول !

گرچہ بدبختم وسے باشد کہ گاہ دولۃ العاصی باسعادِ نند ول

چوں رسیدی اَلنّور ابر کوےاُو

انک الاتی بخیر فی القفول

تصوف یاروحانی مسائل

علامہ کشمیریؒ نے جس طرح فلسفہ کے کچھ دہات مسائل عربی اور فارسی اشعار میں بیان کئے ہیں اسی طرح تصوف اور احسان نیز فوق العقل مباحث سے متعلق چند مسائل کو بھی منظوم عربی و فارسی زبان میں پیش کیا ہے۔ان میں ایک مسئلہ جبر وتقدیر بھی ہے۔اس پر حضرت علامہ نے ایک نظم لکھی ہے۔اس نظم کے چند اشعار مولانا صدیق صاحب نجیب آبادی دمرتب الوا اوالمحمود) نے تقدیر کی بحث میں نقل کئے ہیں۔اس کے دوشعر بطور نمونہ درج ذیل ہیں ؎

الآیا صاحبی ان الکلام بقدرٍ تنّ طویل وتحریرٌ لخلاف یطول ؛ !

ولا لیستوی المیزان الا بخصلہ تفوت بادنیٰ میلۃ فیعولُ

اسی طرح ایک فصیح وبلیغ نظم سماعِ موتیٰ سے متعلق ہے۔ان کے نزدیک فنا صرف جسم کے لئے ہے روح کے لئے نہیں۔سماع سے مراد سماع ارواح ہے۔انبیاء کا قبروں میں نماز و روزہ کا پابند رہنا وہ بھی ارواح کے اعمال ہی سے متعلق ہے۔ہم اس کو بھی من وعن نقل کرتے ہیں۔

سماع موتیٰ کلام الخلق قاطبۃٍ قد صح فیہ لنا الاثار فی الکتب

دایۃ النفی فی نفی انتفاعہم لایسمعون ولایصغون للادب

فوضع الاسم بالمعروف عندھم کما تقرر فی الاذھان من عطب

وانهٗ لیس رکن ثم عندهم! — کم قد فیه تنبیهٌ لمطلب!
فذلک الامر نفس الامر فی نظرٍ — به یثبتهٗ للتقریر فی کتب!
ولیس لذلک کلام معز ونسفاً — نعم باطرافه یبدو لمقتضبِ
وقد یقالُ حیاة الخلق فی شغلٍ — صلاتهم ذکر الرب من رغب
وتلک بعد حیاة الاصل ثابتةٌ — فوجه السمع الافعال من ارب!
وکل عرف اذا ما کان من لطفٍ — ولو یکون انتزاعیاً فمن عجب!
کسجدة الشمس والاضلال ثم یلی — نزول رب علی العرش استوی فہب
وقد یراد بجری الشمس حالتها — فدوم تبقی بها للسجدة العجب
وربما مثل جری الماء من شبهٍ — کعین حامیة للناظر الارب!
ولیس یخرق عند الغیب ظاہرہٗ — اذا تعدی السمع او عقل لمطلب
واصل عرف اذا الہیأة اصطلحوا — فتلک جری طلوع نحوہ اجب!!
کصخرةٍ رفعت فی ہجرہ سردت — والشمس قبلا طلعت من بین ماسجب[1]

مراثی علامہ محمد انور شاہؒ نے اپنے اساتذہ اور شیوخ پر دل کھول کر مرثیے لکھے ہیں جو جذبات و عواطف سے لبریز ہیں اور فنی اعتبار سے بھی نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں بالخصوص جو رثائی قصائد مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمود حسن صاحب رحمہم اللہ کی یاد میں کہے ہیں وہ فصحائے عرب کی مراثی کے ہم پایہ ہیں۔ انھوں نے ان میں اپنے ممدوحین کے فضائل و کمالات اور ان کے ساتھ اپنی محبت و عقیدت کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ مادح اور ممدوحین کی جیتی جاگتی تصویریں آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ ہم نمونے کے طور پر چند اشعار نقل کرتے ہیں:-

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مرثیہ کا مطلع یہ ہے ؎

۱۔ مشکلات القرآن: ص ۲۲۲ - ۲۲۳

وقد کنا کالندمان تعاہدا		بمثل ثبت یداً الی لھبہ

تقریظ و تعریف

علامہ کشمیریؒ نے قدیم شعرائے عرب و فارس یا ماضی کے قریب کے شعرائے اردو کی طرح اپنی شعر و شاعری کو بطور پیشہ استعمال نہیں کیا اور نہ وہ ان علماء میں سے تھے جو وقت کے امراء و رؤسا کی تعریفوں میں اپنی صلاحیت خرچ کرتے تھے ذاتی منافع اور دنیاوی شہرت کا خیال ان کے ذہن سے بالکل دور تھا۔ کیونکہ وہ نہایت غیور اور خود دار تھے۔ البتہ دو واقعات اس سے مستثنیٰ ہیں:۔

اول یہ کہ علامہ کشمیری نے شوق نیموی محدث کی کتاب آثار السنن پر عربی میں دو تقریظیں لکھی ہیں۔ علامہ ممدوح آثار السنن کی تالیف میں علامہ نیموی کے رفیق قلم تھے اور تعجب یہ ہے کہ سالہا سال کی یہ رفاقت صرف تحریر کی حد تک محدود رہی۔ وہ ایک دوسرے کو کبھی بالمشافہ نہ دیکھ سکے علامہ کشمیری نے آثار السنن کی علمی قدر و قیمت اور مؤلفِ کتاب کے علم و فضل کے اعتراف میں عربی میں دو قصیدے لکھے جو مطبوعہ آثار السنن میں شامل ہیں۔ ہم نے ان تقریظوں سے چند اشعار گزشتہ اوراق میں درج کئے ہیں۔ اس لئے انہیں یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ علامہ کشمیری، مولانا حبیب الرحمان خاں شروانیؒ کے دوست تھے۔ مولانا شروانی، علامہ کشمیری کے علم و فضل، دینی و علمی خدمات اور اخلاص و دینداری کے انتہائی معترف اور قدرداں تھے۔ دوسری طرف علامہ کشمیریؒ بھی مولانا شروانی کے پختہ علمی ذوق، امارت و ریاست میں جذبۂ خدمت دین، علماء اور علمی اداروں کی سرپرستی اور مالی حوصلہ افزائی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ ایک بار مولانا شروانی دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ یہ علامہ کشمیری کی صدر مدرسی کا زمانہ تھا۔ علامہ کشمیری نے استقبالیہ تقریب میں ایک نظم بھی پڑھ کر سنائی۔ اس میں معزز مہمان کی

تعریف سے زیادہ دارالعلوم دیوبند کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس نظم کا مطلع یہ ہے ؎

سعد الزمان بوجهك المتهلل　　　ولهيما طال المدى فتفضل

چند اشعار کے بعد معزز مہمان سے مخاطب ہوکر واضح کرتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کا علم اور مذہب میں اپنا ایک خاص مسلک ہے اور وہ تجدد و اجتہاد سے زیادہ تقلید و اعتدال کا مسلک ہے ؎

وافيت قوما لا يردن تكلفاً　　　زيردن حسن العهد لوينزيل
نزل الزمان قريبهم وليعيد هم　　　فبقوا جميعًا كالسماك الاعزل!
فترا هم لهانا تهم فاضل　!　　　في نمايتهم احدٌ به لم يعدل!
اليمانٌ قوم وجوههم سيما هم　!　　　وكما ترا هم في طرازٍ اول[1]

ایسا ہی ایک قصیدہ کابل کے امیر کے خیر مقدم میں کہا ہے جو پندرہ اشعار پر مشتمل ہے۔ البتہ وہ فارسی زبان میں ہے۔

مخلوط مباحث علامہ کشمیری کے رسائل داما لی میں دوسرے قصائد کے علاوہ مختلف مقامات پر مختلف موضوعات سے متعلق اور بھی کئی اشعار بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ وہ اپنی ادبی اہمیت کے لحاظ سے اس قابل ہیں کہ ان سے بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ہم اس سلسلے میں چند نمونے پیش کرتے ہیں:۔

(۱) "قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی جانب رخ کرنے" پر بحث کرتے ہوئے یہ اشعار پیش کرتے ہیں:۔

يامن يؤمل ان يكو　———　ن لهٗ سمات قبوله
خذ بالاصول ومن نصو　———　ص لنبيه ورسوله
نصًا على سبب ۲ تي　　　بالساكت المجهوله!

---

[1] نواب صدر یار جنگ: ص ۲۳۴ - ۲۴۴، مطبوعہ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

ودع ما یفوتک وجہہ　　بالبین المنقول لہ!
وھذا الکلام لغویۃ　　لا غموضہ او طولہ
لیس وقائع فی شرائعہ کمثل اصولہ!
کطارق الاعداء فی　　نعل خلاف مقولہ[1]

(۲) ایک حدیث پاک کی سند اس طرح نظم کی ہے۔

ھشام عن قتادہ ثم زید　　سعید عن قتادۃ فابن عوف
وشعبۃ معمر عنہ عن النضر　　بن انس وعن زید بخلف
وقال البیہقی النس خطاء　　وعن زید قتادۃ غیر صرف[2]

(۳) رفع یدین اور عدم رفع یدین کی بحث میں کوئی بھی مسلک اختیار کرنے کو درست قرار دیتے ہیں اور اس قسم کے فروعی اختلافات کی اہمیت وحیثیت ان صرفی ونحوی اختلافات سے سمجھاتے ہیں جو بصرہ اور کوفہ کے فضلائے نحو میں مشہور رکھتے۔ ادب اور ظرافت سے بھرے ہوئے یہ اشعار درج کئے جاتے ہیں :-

اذا کان فی امر وجوہ عدیدۃ　　فخذ بالذی ترضی واخبر بہ کلا
ودع اللحون فی الاعراب لم ارخ نحوہم　　الی کوفۃ او بصرۃ حیثما تری
تنازع فلان فان شئت اعملن　　لاول او ثان وذاک علی سوی
ولا انما تسعی لصوب مصوب　　کفاک ولم نطلب قلیل من الرضا
ومن عاملین معنوی وغیرہ　　یجوز لہم خفض ورفع کما اتی
فان شئت فانصب ایدیا باسکانۃ　　وان جئت بالاسکان فالاصل فی البنی
وان رمت اطعام الحرفین فاعتمد　　وان شئت ادغاما فی الجنس بتقوی[3]

آخری چند اشعار میں جو معنوی غرابت اور ادبی لطافت موجود ہے وہ ادبی ذوق

---

[1] انوار المحمود ج ۱ ص ۲۰۶ ۔ [2] ایضاً : ج ۱ ص ۳۰ ۔ [3] نفحۃ العنبر ص ۳ پہلا ایڈیشن ڈابھیل ۱۹۳۶ء

رکھنے والوں پر مخفی نہیں رہے گی۔ اساتذۂ متقدمین کے اشعار میں اس قسم کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ شیخ بوصیری کا شعر ہے سہ

حفضت کلّ مقام بالاضافۃ اِذْ		نودیت بالرفع مثل المفرد العلم

اسی طرح متنبی ایک جگہ اپنے ممدوح (سیف الدولہ) سے مخاطب ہوکر کہتا ہے :۔

اذا کان ماتنویہ فعلاً مضارعاً

مضیٰ قبل ان تلقیٰ علیہ الجوازم

فنّی خوبیاں فنّی اعتبار سے علامہ کشمیری کی شاعری نہ صرف قابل قدر بلکہ قابل حجت ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب بنوّری اور ڈاکٹر حامد علی خاں صاحب اس پر متفق ہیں کہ علامہ کشمیری کی شاعری میں غیر مانوس الفاظ مطلق نہیں ہیں حسن ترکیب، سلاست انسجام اور الفاظ وتراکیب کے اختیار میں انہیں متنبیؔ پر بھی فوقیت دی جاسکتی ہے [۱]۔ علامہ کشمیری پُرتکلف شاعر نہیں تھے بلکہ نیچرل شعراء کی طرح ان میں بھی شعر وشاعری کا ملکہ فطرۃً موجود تھا۔ فرق یہ ہے کہ انھوں نے اپنی شعری صلاحیت گل وبلبل کی منظر کشی پر صرف نہیں کی بلکہ دوسرے علوم کی طرح ادب کو بھی تعلیم واصلاح کے کام میں لائے ادب وانشاء کے بارے میں انھوں نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت خود اس طرح کی ہے :۔

براعۃ الانشاء وفضل الادب	انشاء پردازی کی رونق اور ادب کی عظمت
یظہر فی افصاح التعبیر الادبی فی	اس میں ہے کہ مشکل مسائل اور غامض مباحث
غوامض الابحاث ومشکلات المسائل	کو فصیح ادب میں بیان کیا جائے۔

---

[۱] "ہندوستان میں عربی شاعری" یہ ڈاکٹر حامد علی خاں صاحب کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جس پر انہیں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی تھی۔ ابھی غیر مطبوع ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: نفحۃ العنبر: ص ۱۵۳۔

لیست المزیۃ فی فصاحۃ عبارات الحدائق والانہار وذکر النسائم وخریر الانہار فانہا باب طرقہا کل شاعر وکاتب[1] باغوں اور پھولوں کے تذکرہ اور ہواؤں اور نہروں کی سرسراہٹ پر قلم اٹھانے سے ادب کو امتیاز اور فوقیت نہیں ملے گی کیونکہ ان موضوعات پر تمام شعراء اور ادباء نے بہت کچھ لکھا ہے۔

غرض علامہ موصوف اپنے وقت کے باکمال شاعر تھے۔ وہ اٹھتے بیٹھتے عربی میں فصیح اور بلیغ شعر کہتے تھے۔ طلباء اور اساتذہ کے اشعار کی تصحیح بھی ایک ماہر فن شاعر کی طرح کرتے تھے۔ بلاغت و بیان کے باریک مسائل پر ان کی نظر کافی وسیع اور گہری تھی شعرائے متقدمین کے آثار و دواوین کے گویا حافظ تھے۔ اس لئے ایسی جامعیت کے مالک کا فنی نقائص کا مرتکب ہونا بہت مشکل تھا۔ ان کے بعض اشعار میں انغلاق وابہام ضرور نظر آتا ہے۔ مگر اس طرح کے اشعار کا نفس مضمون، فلسفہ، کلام یا تصوف کا دقیق مسئلہ ہوتا ہے۔ ان علوم کا ماہر ایسے اشعار میں بھی لطف اندوز ہوتا ہے۔ پھر دیگر زبانوں کے مسلم الثبوت شعراء (جیسے اردو میں غالب) اس سے بری نہیں ہیں۔ خود عربی ہی کے متنبی اور ابوتمام اس خوبی یا خامی میں مشہور ہیں۔

مولانا میرک شاہ اندرابی کشمیری

علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے ہم وطن شاگردوں میں مولانا مختار اللہ اندرابی معروف بہ میرک شاہ اپنے علم و فضل بالخصوص ایک باکمال ادیب کی حیثیت سے ہندو پاک کے اونچے درجے کے علماء میں شامل ہیں۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے اور بعد میں ایک مدرس کی حیثیت سے بھی ان کا یہاں پر تقرر ہوا تھا۔ دیوبند کے علاوہ انھوں نے تبلیغ کالج کرنال میں بھی درس دیا ہے اس کے بعد اورینٹل کالج لاہور میں بھی استاد مقرر ہوئے۔ یہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد جامع مدینہ لاہور میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے بھی کام کیا چند سال ہوئے کہ پاکستان ہی میں انتقال کیا۔ تقسیم کے بعد تمنا تھی کہ اپنے وطن آجائیں (جہاں ان کے سارے

---

[1] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ؛ مقدمہ مولانا بنوری؛ ص ۴۷۔

اعزہ و اقارب ہیں) مگر یہ تمنا پوری نہیں ہوئی۔

مولانا میرک شاہ بلند پایہ محدث و مفسر اور عربی زبان و ادب کے باکمال ادیب تھے۔ انھوں نے عربی اور اردو میں کئی چھوٹے بڑے رسالے لکھے ہیں۔ ان میں چند رسالے پاکستان اور کشمیر میں شائع بھی ہوئے ہیں کئی کتابیں غیر مطبوعہ ہیں جن میں مؤطا امام مالک کی شرح بھی شامل ہے۔ محیط الدائرہ پر ان کی فاضلانہ شرح مشہور اور مستند اول ہے حضرت شیخ عمر بن الفارض ؒ پر ایک بسیط مقالہ اردو میں لکھا ہے جو اورنٹیل کالج میگزین لاہور بابت فروری ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون سے مولانا کے علم و فضل بالخصوص ادب و شعر پر ان کی وسیع و عمیق نظر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس مضمون کا طرز تحریر اگرچہ عصر حاضر کے محققین کے طرز کے ساتھ نہیں ملتا ہے مگر مضمون نگار کو ایک جلیل الشان ادیب کی شکل میں ضرور منظر عام پر لاتا ہے۔ وہ ایک جگہ بڑے اعتماد کے ساتھ لکھتے ہیں "دنیا بھر کی زبانوں میں سب سے زیادہ سہل زبان عربی فصیحہ ہے"۔ جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ عصر حاضر کے ادیب عبارت میں صنائع و بدائع سے اس لئے لاپروا ہوئے ہیں کہ اب لوگوں کی توجہ حقائق اور حقائق کا کھوج لگانے کی طرف پھر گئی ہے مگر مولانا میرک شاہ اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عصر حاضر کے ادیبوں کے محسنات بدیعی اور صنائع لفظی سے لاپروا ہونے کی وجہ ان کی عدم صلاحیت، عدم مناسبت اور فقدان ذوق ہے" مولانا نہ صرف شعر کہنا جانتے تھے بلکہ شعر کے مبصر اور ناقد بھی تھے انہیں عروض و قوافی پر مجتہدانہ درک تھا ہم ایک مثال درج کرتے ہیں:-

مولانا میرک شاہ صاحب دعوی کرتے ہیں کہ حافظ شیرازی نے اپنے اس شعر میں۔

بہ بوئے نافہ کاکل صبا زاں طرّہ بکشاید
ز تاب جعد مشکینش چو خوں افتاد در دلہا

حضرت عمر بن الفارض کے ان دو اشعار کے معانی و مطالب بڑی خوبی کے ساتھ

کہوپا ہے سہ

نعم بالصبا قلبی صبا لا حبتی ! فیا حبذا ذاک الشذا حین ھبت
یذکرنی العھد القدیم لانھا حدیثة عھد من اھیل مودتی

مولانا لکھتے ہیں کہ حافظ کے شعر میں "باد صبا" "بوی نافہ[2]" "کاخر[3]" "صبا[4]" "بگشاید[5]"
"شمن" "چو خوں افتاد[8]" "درد لہا" یہ آٹھوں تعبیرات شیخ ابن الفارض کے ان آٹھ تعبیرات
"با دصبا" "شذا[2]" "حدیث[3] عہد" "صبا" "ہبت" "اھیل[5] محبتی" "صبا لا حبتی" اور قلبی
سے بڑی رطافت وسلاست کے ساتھ اخذ شدہ ہیں۔ مولانا مرحوم اس استفادہ کو سرقہ
کے تین اقسام انتحال، مسخ اور سلخ میں سے کسی بھی قسم پر محمول نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ اسے
ابداع قرار دیتے ہیں جو ان کے بقول مستحسن چیز ہے اور اس طرح کے تصرفات حسنہ کو
عمل میں لانا حافظ ہی کا حق قرار دیا ہے[1]۔

مولانا میرک شاہ صاحب وقتاً فوقتاً شعر کہتے تھے۔ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ان
کے اشعار کی صحیح تعداد کیا ہے کیونکہ ان کا کلام منتشر اور مستور ہے۔ استاد محترم ڈاکٹر
حامد علی خان صاحب نے اپنے تحقیقی مقالے میں ایک جگہ ضمناً لکھا ہے کہ مولانا میرک
شاہ کے اشعار کی تعداد دو ہزار ہے" ہم یہاں ان کے اس طویل مرثیہ سے چند اشعار
بطور نمونہ کلام درج کریں گے جو انھوں نے اپنے نامور استاد علامہ محمد انور شاہ الکشمیریؒ
کے انتقال پر کہا ہے اس پُر اثر اور درد انگیز مرثیہ میں علامہ کشمیریؒ کے علم و فضل، حفظ
و ذکا، اور تقویٰ و طہارت کا نقشہ نظر آتا ہے سہ

سقی اللہ رمساً فیہ بدر منور اضلات بہ الآفاق اذ کان یزھر
من القوم المدرار ما ذرّ شارق عھاد اتروی غیثہ ویخضر !

---

[1] اورنٹیل کالج لاہور، فروری ۱۹۵۱ء۔

قرارة بحر العلم أم رمس أنور　　فدلّس محيط القدس أم هو جوهر
وقد كان دهراً مشتاق الأرض جوّها　　فراح يفتق بطن الثرى وينوّر
فأحيى قلوباً بالمعارف والحجى　　كإحياء وسميّ ربا ما تنضّر!
تغلغل في أعماق ما لم يصل إلى　　سطوح له جهبيذ دهر يحبّر
كما يمّ إذ ما ثار ثمّة زاخراً　　له زبد عرفان يموج ويزبد
محدّث عصر ما أتى بمثيله!　　وبحر خضمّ للعلوم ومصدر
فإن جئته ترتاد نقل مسائل　　تجد موج بحر عبابه كان يزخر

آگے لکھتے ہیں ؎

فيا عين بكّي شرق شمس ذهابها　　وجودي بدمع سيله متواتر
ألعبد دفين بالمصلّى يرى الورى　　جبال علوم سؤلهم ابن أنور!!
قضيت أموراً كان صعباً منالها　　فذلّلت لك الصعبات والصعب ييسّر
فيا فخر هند ثم ديوبند مرقداً　　ويا تاج بلك الكشمير ثمّ نزوره

مندرجہ بالا شعرار کے علاوہ کشمیر کی مردم خیز زمین سے اور بھی بہت سے شعراء پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے عربی نظم ونثر میں بہت کچھ لکھا ہے مگر بد قسمتی سے ان کا سرمایۂ شعر یا ضائع ہوا ہے یا گوشۂ گمنامی میں پڑا ہے۔ خود مولانا میرک شاہ جو بالکل عصر حاضر سے تعلق رکھتے ہیں، کا کافی علمی سرمایہ مفقود ہے جس میں ان کی عربی شاعری بھی شامل ہے، مولانا کی ایک طویل عربی نعت کا صرف ایک شعر راقم کو دستیاب ہوا وہ یہ ہے ؎

فدىً لك روحي أمّي ووالدي
ووالدي وجسمي ثم مالي تجمّل

ل نفحة العنبر من هدى الشيخ الأنور ص ۲۰۶ – ۲۰۷۔

بارھویں صدی ہجری کے ایک نامور کشمیری عالم ملا محمد اشرف عربی اور فارسی کے ماہر تھے۔ انھوں نے اپنے ایک معاصر کشمیری عالم مولانا عبداللہ کشمیری (م ۱۱۳۵ھ) کی وفات پر ایک پُر اثر مرثیہ لکھا ہے مگر راقم کو تاحال دستیاب نہ ہوسکا۔

علمائے کشمیر نے غیر نقط حروف میں بھی عربی شعر کہے ہیں۔ مؤرخ محمد اعظم نے اپنے مرشد شیخ محمد مراد نقشبندی کے تذکرے میں اپنی غیر منقوط، شعری کاوش کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

"تاریخ وصال آں مقبول ذوی الجلال بعض یاراں نظم و نثر گفتند فقیر حقیر بہ تبعیت اصحاب .... تاریخ موزوں و منثور عربی و فارسی بالنقط و بے نقط فکر کردہ و ہمہ آنرا در رسالہ فیض مراد آوردہ"[1]

آج سے کئی سال پہلے آستانۂ حضرت ایشاں شیخ یعقوب صرفی کشمیری کے سجادہ نشین کی طرف سے ایک غیر منقوط "عربی نعتیہ قصیدہ" مع اردو ترجمہ شائع ہوا تھا اور اسے مرزا اکمل الدین خاں بدخشی کشمیری کی کاوش فکر کا نتیجہ قرار دیا گیا تھا مگر یہ غیر منقوط قصیدہ فیضی کا ہے اور جلال الدین اکبر کی مدح میں کہا گیا ہے۔ یہ قصیدہ فیضی کی تصنیف "موارد الکلم" میں موجود ہے۔ مرزا اکمل نے فارسی میں ہزاروں اشعار پر مشتمل بحر العرفان نام کی جو کتاب لکھی ہے اس میں کہیں بھی عربی اشعار نہیں ہیں۔ صرف دفتر دوم کا مطلع عربی نما ہے[2]

حمد اللہ مظہر الاشیاء خالق الخلق واضح الانشیاء

آخر پر ایک منظوم عربی ترجمے کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے عہد مغلیہ کے ایک جلیل القدر کشمیری عالم علامہ داؤد خاکی (م ۔ ۹۹۴ھ) کی تصانیف میں ایک منظوم فارسی رسالہ "ورد المریدین" علمی اور ادبی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کشمیر کے اس نامور عالم نے اس رسالے میں اپنے مرشد نامدار حضرت شیخ حمزہ مخدوم کے حالات اور کمالات والہانہ

---

[1] تاریخ اعظمی : ص ۲۲۳ [2] بحر العرفان : دفتر دوم، پہلا شعر، مدکاز پریس ۱۳۸۱ھ ۔

اندازمیں بیان کیے ہیں۔ یہ رسالہ اصل میں چارسو سے زائد اشعار پر مشتمل تھا مگر گردش روزگار کے ساتھ اس کے بہت سے اشعار تلف ہوتے ہیں۔ آج اس کے مطبوعہ نسخوں میں صرف ۳۱۱ اشعار نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر صوفی محی الدین نے "کشمیر" کی دوسری جلد میں ایک اور شعر درج کیا ہے، وہ مطبوعہ نسخوں میں موجود نہیں ہے۔ غرض یہ رسالہ بڑی مقبولیت کا حامل ہے۔ کشمیر کے ایک معاصر عالم (مولانا سید محمد قاسم بخاری سابق پرنسپل اسلامیہ اورنٹیل کالج سرینگر و تلمیذ حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی) نے اس پورے رسالے کو عربی نظم میں منتقل کیا ہے۔ یہ کام اگرچہ مکمل ہوا ہے مگر ابھی تک کتابی صورت میں شائع نہیں ہوا ہے۔ ماہنامہ "التبلیغ" سرینگر میں پچھلے کئی سالوں سے "تاج العارفین" کے عنوان سے چھپ رہا ہے۔ اس کے علاوہ مترجم ممدوح نے اس کا ایک حصہ اپنے ایک کتابچہ "حیاتِ شیخ حمزہ سلطان العارفین" کے آخر میں بھی شائع کیا ہے۔ ہم چند اشعار بطور نمونہ پیش کرتے ہیں ۔

فارسی: شکر للہ حال من ہر لحظہ نیکوتر شد است — شیخ شیخان شیخ حمزہ تا مرا رہبر شد است

عربی: شکر ربی صار حالی کل حین مثمراً — مذ ہدانی شیخ شیخان شیخ حمزہ موثراً

فارسی: آفتاب عالم ارشاد و تکمیل ست لیک — ناقص از نقصان خود خفاش وش اعور شد ست

عربی: شمس ارشاد و تکمیل ھو العالم — والبلید صار ھذا کالخفاش اعورا

فارسی: بہر ثبات نسب از روضۂ پاک نبی — از جواب یا ولد مخصوص در محضر شد ست

عربی: انہ من روضۃ طٰہٰ لاثبات النسب — نال فضل یا بنی فی الجواب محضراً

فارسی: گفتن ذکر ست سوی حق رہے نزدیک تر — ہر طریقے کز پی تلقین آں صفدر شد ست

عربی: اقرب الطرق الی رب دوا ما ذکرہ — لطریق خیر خالق للعلیٰ قد احضرا

فارسی: خطۂ پاک زمین آنچہ در ہندوستان — از صفائی مرقدش با زینت و با فر شد ست

عربی: نطعۃ من ارض تدریس جلۃ فی الہند — قد تناصت لاجل جدثہ جوہراً منظراً

کچھ اور عربی اشعار

انه نال السمو مع عم المصطفیٰ — حمزةٌ کان شدیداً فی الجهاد جهدا

قد تمنّی والذین جاهدوا لم سعیٰ — فالاله ساقهٗ للخلق طرّاً امنذرا

معضلات واردات السالکین عندهٗ — شرحها قد صار جداً للمریدین الیسراً

حفظ نفسٍ فی التخلی والتجلی شانهٗ — وهو مولائی وهادی باطنا مع ظاهرا

لیس حفظ النفس لا وصل حق دائماً — بشهود عین قلبٍ صار اعمیٰ البصرا

امام غزالی کا فلسفۂ مذہب و اخلاق

تالیف:۔ سید حبیب قادری شور ایم اے عثمانیہ یونیورسٹی

مشہور مورخ محقق اور صوفی و فلسفی حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی شخصیت نہ صرف مسلمانوں اور ایشیا میں بلکہ غیر مسلموں اور یورپ میں بھی مسلّم ہے۔ زیر نظر تالیف اپنے مضامین اور مباحث کی جامعیت اور حسنِ ترتیب اور عام معلومات کے اعتبار سے ایک بہترین کتاب ہے۔

امام غزالیؒ نے اپنے زمانے کے علمی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی اور سیاسی حالات کا جس گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا کتاب کے پہلے حصہ میں ان کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں ان کے فلسفۂ مذہب پر تحقیقی گفتگو کی گئی ہے اور تیسرے حصے میں فلسفۂ اخلاق پر چوتھے حصے میں ان کے فلسفۂ مذہب و اخلاق پر ایک جامع اور بصیرت افروز تبصرہ ہے۔ صفحات ۵۰۰ تقطیع متوسط ۲۰×۲۶

قیمت ۔ ۳۰ روپئے

مکتبہ برہان اردو بازار دہلی ۶

فارسی نثر کے موضوعات

ترجمہ:۔ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی، دہلی یونیورسٹی دہلی

(۲)

تراجم وکتب رجال:۔

تراجم وکتب رجال سے ایسی کتابیں مقصود ہیں جن میں شاعروں، عالموں، مشائخ اور اسی طرح اسلام کے مختلف فرقوں کے بزرگوں وغیرہ کے احوال زندگی بیان ہوئے ہیں، اسی قسم کی کتابوں کی تالیف کا عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں قدیم زمانے سے رواج رہا ہے۔ فارسی ادب میں ایسی کتابوں کی تالیف کا زیادہ تر پانچویں صدی ہجری (گیارہویں صدی عیسوی) کے آس پاس رواج ہوا۔ اس نوعیت کی کتابوں میں ایسی کتابیں بھی شامل ہیں، جو پیغمبروں کی سیرت پر لکھی گئی ہیں اور "قصص الانبیاء" کے نام سے معروف ہیں۔

قصص انبیاء میں ایک اسی نام کی کتاب بھی ہے جسے اسحٰق بن ابراہیم بن منصور بن خلف نیشاپوری نے ترتیب دیا ہے۔ یہ کتاب پانچویں صدی ہجری کے وسط یا اوائل کے دلکش فارسی متون میں شمار ہوتی ہے۔ اس کے مطالب روایات کلبی (محمد بن سائب متوفی ۱۴۶ھ/۷۶۳ء) سے منقول ہیں۔ اسحٰق بن ابراہیم نے اپنی اور کلبی کی روایات کے درمیان سات واسطوں کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے قاعدہ کی رو سے، مؤلف، پانچویں صدی ہجری